''اکیسویں صدی کے اُر دوناولوں میں وجو دی فکر کا تجزیاتی مطالعہ''

"An Analytical Study of Existential Thought in Urdu Novels of the 21st Century"

تحمد توصيف پی-ان درسی استار، شعبه اُردو، نمل یونیور سی قا کشر، عمبرین تبسم شاکر جان ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبه اُردو، نمل یونیورسٹی

Abstract:

Existentialism is a Philosophical theory or approach which emphasizes the existence of the individual person as a free and responsible agent determining their own development through acts of the will. Major themes of this philosophy are Existence precedes essence, Absurdity Nihilism, condemned to be free, lack of meaning in life, Absence of the hand of the power who create this world. Many writers in 21st century utilized existentialist streaks in their writings to depict the poor plight and helplessness of individuals in the society, among those Khalid Javed *Mout Ki Kitab* Khalida Hussain *Kagzi Ghat* and Musharaf Alam Zouqi *Lay sans Bi Aahista* and *Murda Khana main Aurat* are notable. Existentialist which are present in Dr. Arifa Shahzad's Novel are discussed in this Article. Dr. Arifa Shahzad is one of the famous writers in the 21st Century. "Main Timsal Hoon" is the first Novel of Arifa Shahzad which is an Existential Novel.

(زير بحث)Discussed (الثرات) effects (وجوديت) Existentialism (کليدې الفاظ)

ترجمہ: "وجودیت ایک فلسفیانہ نظر سے بیانقط نظر ہے جوایک آزاد اور ذمہ دار انفرادی شخص کے وجود پر زور دیتا ہے۔ اس فلسفے کے بڑے موضوعات ہیں: وجود جو ہر پر مقدم ہے، لا یعنیت، آزاد ہونے کی ہذمت، زندگی میں معنی کی کمی، اس دنیا کو تخلیق کرنے والی طاقت کے ہاتھ کی عدم موجود گی۔ اکیسویں صدی میں بہت سے ادیبوں نے اپنی تحریروں میں وجودیت پیندی کی کلیروں کو معاشر ہے میں افراد کی ناقص حالت زار اور بے لبی کی تصویر کشی کے لیے استعمال کیا۔ ان میں خالد جاوید 'موت کی کتاب' خالدہ حسین کاغذی گھاٹ 'اور مشرف عالم ذوتی ' لے سانس بھی آہتہ 'اور 'مر دہ خانہ میں عورت ' قابل ذکر ہیں۔ وجودیت کے جوعناصر ڈاکٹر عارفہ شہزاد کا پہلا ناول میں موجود ہیں اس مضمون میں زیر بحث آئے ہیں۔ ڈاکٹر عارفہ شہزاد کا شہرا ایک سویں صدی کی مشہور ادیبوں میں ہوتا ہے۔" میں تمثال ہوں "عارفہ شہزاد کا پہلا ناول ہے۔ وجودی ناول ہے۔"

وجود بیت ایک فلسفیانه نظر بیہ ہے جو کسی فرد کے وجود کواس کے تمام اعمال پر فرد کی ترقی میں اسے آزاد اور ذمہ دار تھم اتا ہے۔ اس فلسفے کے بنیادی نکات وجود بی بیر مقدم ہے، لغویت، مذہب سے انکار، آزاد ہونے کی مذمت، زندگی کی بے مقصدیت، اس ذات کی عدم موجودگی جسنے اس دنیا کو بنایا۔ وجودیت کی ابتدا صورین کر سیگار ڈر (Soren Kierkegaard 1813-1855) کے افکار سے ہوئی بعد میں دیگر فلسفی فریڈرک نطشے (Martin Heidegger 1889-1976) کارل جسپر ز (Karl Jaspers 1883-1969)، مارٹن ہائیڈیگر (Gimone de Beauvoir 1908-1988) جیسے فلاسفہ نے وجودیت کے فلسفی، پر توجہ دی لیکن وجودیت کو تقویت اس وقت ملی جب ثران پال سار تر (Jean Paul-Sartre 1905-1988)، سیمون ڈی بوار (Albert Camus 1913-1960) اور ان کے جامیوں نے اسے مقبول بنایا۔

بقول قاضی جاوید:

"وجو دیت زمانہ حاضر کی نمائندہ فکری تحریک ہے جس نے زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے۔ علم وحکمت ویاادب و فن ،الہمیات ہویالفسیات ،عمرانیات ہویااخلاقیات وجو دیت نے ان سب پران مٹ نقوش مرتسم کیے ہیں۔وجو دی ادب میں تخیل کی رقینی ، فکر کی رفعت ،جذبے کی شدت یائی جاتی ہے "(1)

فلسفہ وجودیت کا آغاز ایک ایسے دور میں ہواجب سائنس کی دریافتوں اور عقل پرستی کا ہر طرف راج تھا۔ دنیا تباہ کن جنگی حالات سے گزر رہی تھی۔ انسان ایک دوسرے کے دشمن ہو چکے تھے۔ ایسے میں فرد میں تنہائی، خوف، بغاوت، کرب، اذیت جیسے جذبات بیدار ہونانثر وع ہوئے جنھوں نے انسان کو سوال اٹھانے پر مجبور کیا کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیاہوں؟ مجھے اور اس دنیا کو بنانے والا کون ہے؟ یہ دنیا کس نے تخلیق کی؟ اگر خداہے تووہ کہاں ہے اور پھر یہ تباہی وبربادی کیوں ہو رہی ہے؟ ایسے سوالات نے وجو دی فلیفے کو بیدار کرنے میں بڑی معاونت کی۔

اگروہ اپنے لیے کوئی راہ عمل نہیں چنا یاباہر کی طاقتوں کے سامنے سر جھکا کر مجہول انداز میں جیے جانے پر راضی ہے تو قابلِ حقارت ہے۔اس لیے انسان کو ہر وقت فیصلہ کرنا پڑتا ہے اور اس کی ذمہ داری فرد پر ہوتی ہے۔ نتیجہ اچھا یابر اوہ اپنے اعمال اور آزاد انہ فیصلوں کا ذمہ دار ہو تاہے۔ یعنی وہ وجو دی فلیفے سے زندگی میں ہر دم جڑار ہتا ہے۔

ڈاکٹر جمیل حالبی فلیفہ وجو دیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس فلنفے نے بیبویں صدی کے ذہن انسانی کو اس کی ناامیدی، بے یقینی اور عدم اعتاد سے نجات دلا کر اپنی ذات پر اعتاد کر ناسکھایا اس نے خیر وشر کی ساری ذمہ داری فرد کے کاندھوں پر ڈال دی اور بتایا کہ آدمی اس کے سوا پچھ نہیں جو وہ خود کو بنا تا ہے۔ ذات کے عرفان کا مسئلہ ہم مشر قیوں کے لیے کوئی نئی چیز نہیں لیکن یورپ میں جہاں سائنس کی ترقی نے فلک افلاک کو مجھولیا تھا.....عرفان ذات کے اس فلنفے نے بحران زدہ انسان میں زندگی کی روح پھونک دی۔ "(۲)

اُردوادب میں وجو دیت کے حوالے سے کئی ناول دیکھنے کو ملتے ہیں جو فلسفہ وجو دیت کے عناصر رجائی اور قنوطی دونوں پر مشتمل ہیں۔ اُردو میں جن ناولوں میں معاشر تی جبر اور عورت کا استحصال ، قوی بے حسی ، دیکھنے کو ملی ایسے ہی ناولوں میں وجو دی عناصر کو زیادہ پایا اردو میں وجو دی فکر کے حاصل ناول نگاروں میں عبداللہ حسین ، بانو قد سید ، خالدہ حسین ، انیس ناگی ، عاصم بٹ ، خالد جاوید اور پروفیسر ڈاکٹر عار فیہ شہز ادشامل ہیں۔

بقول ڈاکٹروحیداختر:

" ہمارے ادب پروجودیت کے فلفے کا براہ راست اثر کم ہے لیکن ہماری فکر میں وہ عناصر جو وجودیت کی تشکیل کرتے ہیں بالواسطہ اور غیر شعوری طور پر خود بخود شامل ہو گئے ہیں۔ کیونکہ وجودیت حقیقی معنوں میں آج کا فلسفہ ہے۔"(٣)

میں تمثال ہوں میں وجودیت اور نئی وجودیت کے عناصر ناول میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ وجودیت میں بنیادی طور پر قنوطی عناصر جیسے کراہت، گھٹن ، لغویت، اداسی، موت اور خودکشی کوزیر بحث لایاجا تاہے جب کہ نئی وجودیت (Neo-Existentialism) میں رجائی عناصر جیسے اُمید، اپنائیت اور جدوجہد وغیرہ زیر بحث آتے ہیں۔

ناول "میں تمثال ہوں" میں قنوطی وجو دی عناصر کی بھر مار ہے۔ قنوطی وجو دی عناصر کے بھر مار ہے۔ قنوطی وجو دی عناصر کی بھر مار ہے۔ قنوطی وجو دی عناصر کی بھر مار ہے۔ قنوطی وجو دی عناصر اُمید اور ابغائیت کو بھی ناول میں برتا گیا ہے۔ یعنی جہاں کہیں منفی جذبات اُبھرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہیں رجائی وجو دی عناصر کی موجو دگی اس بات کا ثبوت ہے کہ زندگی میں ضروری نہیں کہ انسان ہمیشہ شروع سے آخر تک دکھ ہی دیکھے گا۔ اُمید کا عضر ناول میں تمثال کی زندگی میں ضی اور انتخاب کے ذریعے اپنی راہ کا تعین خود کر تا ہے۔ اس انتخاب کے نتیج میں پید اہونے والی صور تحال کا ذمہ دار بھی وہو دہو تا ہے۔

قنوطیت سے مراد نااُٹیدی اور ہر قشم کا منفی رویہ ہے۔ قنوطی وجو دی عناصر سے مراد وہ تمام منفی کیفیات ہیں جن کی وجہ سے انسان مالیوسی کا شکار ہوا اور اداسی کی طرف مائل ہوا۔ دنیا کے حالات نے انسان کو الیمی جگہ لا کھڑا کیا جہال اس کے اندر منفی کیفیات پیدا ہوئیں اداسی، مالیوسی اور خوف جیسے رویوں نے جنم لیا۔ درج ذیل وجو دیّت کے قنوطی عناصر ہیں:

تنہائی قنوطیت کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جب انسان اُرِّید کا دامن چھوڑ کرخود کو الگ تھلگ سیجھنے لگتا ہے۔ پھر اسے کسی سے کوئی اُرِید وابستہ رکھنا ہے معنی لگتا ہے۔ وہ صرف اپنی ذات تک ہی محدود رہتا ہے۔ اور دوسروں سے فاصلہ اور دوری اختیار کرنے لگتا ہے۔ وہ اپنی عافیت اپنے وجو دسے وابستہ کرلیتا ہے۔ اسے اُرِّید کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی، جو اس کی ڈھارس بندھائے۔ گویا کہ وہ اجتماع کو چھوڑ کر تنہازندگی گزارنے کاعادی ہو جاتا ہے۔

جنگ عظیم دوم (۱۹۳۹ تا۱۹۳۵) میں جب انسانیت پامال ہوئی اور انسان نے اپناتحفظ کھودیا تووہ خود کو تنہامحسوس کرنے لگا۔ایسی صور تحال میں اس کاخدا پرسے بھی بھر وسہ اٹھ گیا۔ وجودیّت کابانی کر کیگار ڈے جو کہ خود کوایک تنہافاختہ سمجھتا تھا۔

> " پہلی کیفیت جس کا کر کیگارڈ کو احساس ہو تاہے وہ تنہائی یا اسلے پن کی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک ایسی فاختہ سے تشبیہ دیتاہے جو کہ ایک خزاں زدہ صنوبر کی ٹنڈ منڈ شاخ پر تنہا بیٹھی ہوئی ہے۔" (۴)

جب انسان کواس دنیا میں ایس کوئی جگہ نہ ملی جہال وہ سکون حاصل کرسکے نہ ہی کوئی چیز اس کے غم کا مداوہ کرسکی تواس صورت حال میں اس نے اپنے وجو د کو بنیاد
بناکر اپنے مسائل کاحل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ انسان اس وقت تنہائی کاشکار ہونے لگتا ہے جب وہ جمد در شتوں کی کمی کو محسوس کر تاہے۔ جب وہ اندر سے ٹوٹ جاتا ہے اور
اکیلارہ جاتا ہے اور یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ اس کیفیت میں انسان ذہنی دباؤ کاشکار ہونے لگتا ہے۔ اس کا اکیلا بین اس کو مایوسی اور افسر دگی میں مبتلا
کرویتا ہے۔

مایوسی افسر دگی کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جو کسی خاص وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ مایوسی زیادہ ترذی شُکور میں پائی جاتی ہے۔ محسوسات جس کی جتنی زیادہ ہوں گی وہ اس سے اتناہی زیادہ متاثر ہوگا۔ حساس لوگوں میں یہ کیفیت زیادہ پائی جاتی ہے۔ مایوسی کو نصف موت بھی کہاجا تا ہے۔ اس سے انسان کی سوچنے سبجھنے کی صلاحت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ انسان جب ہمت اور حوصلے کا دامن چھوڑ دیتا ہے اور سعی کا عضر مفقود ہو جاتا ہے، اس وقت یہ کیفیت انسان کو مایوسی کی طرف دھکیل دیتی ہے۔ جب انسان مختلف حالات سے گزرااور اس نے اس دنیا میں اپنے مقام کو فقط ایک حقیر تنگے کے سوانچھ نہ پایا تو وہ مایوسی کی طرف مائل ہواکیوں کہ اس کا جو اب دنیا کا کوئی فلسفہ نہ دے سکا۔ گویا مایوسی ایک کیفیت ہے جو انسان کو اپنے وجو دسے راو فر ارکی طرف را غب کرتی ہے۔

جر کیفیت کا وجود کسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور خوف کی کیفیت خطر ہے پیدا ہوتی ہے۔ خطرات چوں کہ ہر ذی روح کی کیفیت کو مکمل طور پر تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس کے نتیج کے طور پر وجود میں آنے والی اس کیفیت سے انسان ہویا حیوان اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کیفیت میں انسان بھاگ کریارو پوش ہو کر ہی سکون حاصل کر سکتا ہے۔ اس صورت میں فکر اور گھبر اہٹ بدر جہ اتم پیدا ہوتے ہیں۔ جو بھاگنے چھپنے یا بھر زندگی کی بازی بارنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ بہلی صورت میں توزندگی بھون حاصل کر سکتا ہے۔ اس صورت میں انسان اپنی جان سے ہی ہاتھ دھو بھائے کے لیے روپوش ہو جانے کا مقصد حالات سے روگر دانی کرنا ہوتا ہے۔ لیکن جب خوف کی کیفیت عروج پر پہنچ جاتی ہے تواس صورت میں انسان اپنی جان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ وجودی مفکرین کے نزدیک خوف ایس کیفیت کا نام ہے جو کسی شخص یا کسی چیز کے لیے نقصان کا باعث ہو۔ گھما گھمی کے اس دور میں انسان سب سے زیادہ خوف دوسرے انسانوں سے محسوس کرنے لگاہے۔

كرسيگار د خوف اور دہشت كى اس كيفيت كويول بيان كرتاہے:

"خوف تو کسی نہ کسی شے یا فر د کا ہو تا ہے لیکن دہشت کسی خاص شے یا شخص سے وابستہ نہیں ہوتی بلکہ آزادی عمل کی پیداوار ہے۔"(۵)

سائنسی ترقی نے جہاں چند سہولیات مہیا کیں وہیں اس کے باعث انسان کے لیے خطرات بھی پیدا ہوئے۔ بم کی ایجاد نے ایک انسان کو دوسرے انسان کا قاتل بنا یا۔ افرا تفزی کے اس عالم میں ایک انسان دوسرے انسان سے خوف محسوس کرنے لگا۔ وجودی مفکرین بھی خوف کی اس کیفیت کوانہی معنوں میں لیتے ہیں، جس میں ایک انسان کے اندر خوف کا پیدا ہو نافقط اس لیے ہو تاہے کیوں کہ اسے دوسرے انسان سے نقصان کا اندیشہ ہو تاہے۔

وحشت ایک ایسی کیفیت ہے جس کے وجود میں آنے کی مختلف وجوہات ہوتی ہیں۔ اس کیفیت کے باعث انسان میں احساس اور صلح رحمی کا فقد ان ہو جاتا ہے۔
انسان انسانیت کے معیارے گر کر بالکل وحثی ہو جاتا ہے۔ پھر اسے دو سرے کا نفع نقصان نظر نہیں آتا۔ اس میں ایک خود غرضی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی ذات کے فائدے

کے لیے کسی بھی حدسے گزر جاتا ہے۔ اس طرح ایک انسان جس ماحول اور معاشرے میں پروان چڑھتا ہے اگر وہ خود غرضی کی آماجگاہ ہو گی تو انسان اس سے متاثر ہوئے بغیر
نہیں رہ سکے گا۔ وجودی مفکرین اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ وحشت کا سامنا انسان کو اس وقت کرنا پڑتا ہے جب اس کے سامنے دوراستے ہوں۔ ایک نیکی کا اور دو سر ابدی کا
کیوں کہ ہر انسان اپنے لیے ہمیشہ ایجھے کا بی انتخاب کرتا ہے۔ ممکن ہے وہ کسی ایسے راستے کا انتخاب کرے جو اسے برائی کی طرف لے جائے۔

کر کے اگر ڈاس بات کو مثال کے ذریعے بوں ثابت کرتا ہے۔

"انسان ہر لمحہ وحشت کا شکار ہوتے ہیں کیونکہ اسے ہر وقت کوئی نہ کوئی فیصلہ کرناہو تاہے۔وحشت ایک طرف گناہ کے ارادے اوراختیار سے منسلک ہے اور دوسری طرف آزادی اختیار کااحساس بھی ہو تاہے۔"(۲)

کر کیگارڈ کے نزدیک گناہ اور آزادی کا یہ تصوُّر تمام بنی آدمٌ میں موروثی طور پر موجود ہے۔ کرب کو وجودیّت کا ایک اہم عضر سمجھا جاتا ہے۔وحشت کے ساتھ ہی کرب کی کیفیت وابستہ ہے۔وجودی فلاسفہ کے نزدیک انسان کو اس وقت کرب کاسامنا کرنا پڑتا ہے جب وہ شکش کی کیفیت میں مبتلا ہو تا ہے ،انتخاب کی آزادی انسان کو کرب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ کرسیگارڈ کے افکار کی تشریح علی عباس جلال یوری یوں کرتے ہیں:

"اس نے ذہنی کرب اور تشویش کے تصوُّرات پیش کیے وہ کہتاہے کہ انسان فاعل مختارہے جس کے باعث وہ خواہش بد اور گناہ کو اپنے اندروں میں پیداہوتے ہوئے محسوس کر تاہے اسی قدر واختیار کے باعث انسان جذباتی خلفشار میں مبتلا ہو گیاہے۔"(ے)

وجو دی مفکرین آزادی انتخاب کوکرب کی سب سے بڑی وجہ سبچھتے ہیں انسان آزادی کی بدولت اس شکش میں رہتا ہے کہ آیااس کاامتخاب درست ہے یانہیں۔اس صورت سے نجات اس وقت ممکن ہے جب انسان کسی ایک راہ کواختیار کرلیتا ہے۔

لا یعنیت ایک ایبالفظ ہے جس کا کوئی معنی نہیں ہے جیسے ، کسی مہمل کلے کے ساتھ آتا ہے۔ گر اپنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بالکل اسی طرح کسی چیز کا وجود جس کا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بالکل اسی طرح کسی چیز کا وجود جس کا کوئی مقصد نہ ہو لا یعنیت کے ضمن میں آتا ہے۔ وجود کی مفکرین کے نزدیک انسان نہ تو اپنی مرضی سے اس دنیا میں آتا ہے اور نہ ہی اپنی مرضی سے جاتا ہے۔ گویا وہ زندگی کو بے مقصد ، بے سود اور لا یعنی تصوّر کرتے ہیں۔ سارتر کے مطابق ہمیں اس دنیا میں چھینکا گیا ہے۔ وہ اس دنیا کی ہر شے مہمل ہے۔ کوئی اخلاق اور اصول وضو ابط موجود نہیں ، جوزندگی گزار نے میں ہماری رہنمائی کریں۔ سارتر کے نزدیک:

" یہ دنیا یا وجود خود ہمارے لیے لغو (Absurd) مہمل اور بے معنی ہے یعنی ہم کا ئنات میں کسی قسم کے معنی اور مفہوم تلاش نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارے لیے کلینہ عارضی، وقتی اور نا قابل فہم ہے۔"(۸)

یہ کا نئات بے رنگ ہے۔ اسے ہم جو بھی رنگ دے دیں یہ وہی قبول کرلے گی۔ یہ فلسفہ وجو دیّت کاغالب رویہ ہے۔ اس سے مرادزندگی کا بے رنگ ہو جانا، ہر چیز کا بے مقصد ہو جانا ہے جو ایک طرف ماکل ہو جاتا ہے ، کا بے مقصد ہو جانا ہے جو ایک طرف ماکل ہو جاتا ہے ، کا بے مقصد ہو جانا ہے جو ایک طرف ماکل ہو جاتا ہے ، کیوں کہ انسان کو کہیں بھی اسپنے مسائل کا حل نظر نہیں آتا اور وہ ناائیدی کا شکار ہو جاتا ہے۔ دنیا اس کے نزدیک ایک لغوشے ہوتی ہے۔ وجو دی مفکرین بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ یہ دنیا ہمارے لیے کوئی واضح اور متعین راستہ نہیں رکھتی۔

اس دنیا میں چند غیر مرئی عمل ہیں۔ جن کے آثار تو دکھائی دیے ہیں لیکن ان کاوجود دکھائی نہیں دیا، جیسے کہ زندگی اور موت۔ موت الیمی کیفیت ہے کہ جس میں زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جب انسان نہ کوئی عمل کرنے کے قابل رہے ، نہ سانس لے سکے اور نہ ہی خواس خمسہ کام کریں، تو حقیقی معنوں میں الی ہی کیفیت کوموت کہا جاتا ہے۔ جب انسان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود نظر آئے تواسے ذہنی موت تصوُّر کیا جاتا ہے ، لیکن موت کی کیفیت میں انسان بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے۔ زندگی اس کیفیت کانام ہے جس میں لطف و سرور ہو ، اگر چہ کبھی کبھی کبھی کبھی کسی حالات میں یہ لطف ماند پڑجا تا ہے۔ جب یکس لطف کا خاتمہ ہو جائے اور تمام حواس کام کرنا چھوڑ جائیں تووہ حقیقی موت ہے۔ موت کی کیفیت دکھ تکلیف اور یاس کام کرتا چھوڑ جائیں تو ہو گئیٹ میں تمام اُرتیدیں دم توڑ دیتی ہیں۔ ہائیڈ یگر کے افکار کا اگر جائزہ لیس توان میں موت کا احساس اذیت کا باعث بنتا ہے ۔

"انسان کچھ نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے اس عالم آب و گِل میں وار د ہوانہ اسے اپنی منزل کا پچھ علم ہے انسان چاروں طرف سے فنااور نیستی میں گراہواہے جس کا احساس اس کے لیے کر بناک اذبیت کا باعث ہوا۔ موت اور فناایک ٹھوس حقیقت ہے اور ہر موجود کا عضر لازم ہے۔"(9)

موت کاعضر انسان میں مایو سی پیدا کر تاہے۔انسان جب اپنی زندگی پرغور کر تاہے کہ یہ فناہونے والی ہے تووہ دہشت کاشکار ہو جاتا ہے۔موت،زندگی کے خاتمے کاباعث ہے۔ یہ دنیا کے کھو کھلے اور لا یعنی پہلو کو اجا گر کرتی ہے۔کر کیگارڈ کے افکار میں موت کا بیان یوں ماتا ہے:

> "زندگی کی بے ثباتی کا احساس انسان کے دل میں کا نثابین کر چیھتار ہتا ہے اور جب وہ بقائے دوام کا آرز و مند ہو تا ہے تو صور تحال المناک ہو جاتی ہے اور انسان اپنے آپ کو موضوع سیحفے کے بجائے محض ایک شے سیحفے لگتا ہے۔"(۱۰)

سارتر کے نظریے کے مطابق انسان اپنی مرضی سے اس دنیا میں نہیں آتا اور نہ ہی اسے موت پر کوئی اختیار حاصل ہے۔ ہائیڈیگر کے مطابق موت انسان میں مایوسی پیدا کرتی ہے۔ انسان کو اپنی زندگی کا کوئی بھر وسانہیں رہتا اور نہ ہی اسے اس بات کا علم ہو تاہے کہ اگلے لمحے اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ بیہ خوف انسان کو مایوس کر دیتا ہے۔

اس دنیامیں انسان کے سامنے بے شار مقاصد ہوتے ہیں ان میں ہے ایک مقصد دوسر وں کے کام آنا بھی ہے۔ جہاں اپنے لیے سوچناوہیں دوسرے انسانوں کا بھی خیال کرنا۔ دولت اگر انسان خود کے لیے حاصل کر تاہے، وہیں وہ یہ بھی چاہتاہے کہ معاشرے کے کمزور طبقے کی اس دولت کے ذریعے سے مدد کرے، مگر جب انسان میں اس قتم کے جذبات دم توڑ دیں تووہ اپنی ذات تک ہی محدود ہو جاتا ہے اور اس وقت یہ سمجھ لینا چاہیے کہ خود غرضی نے سر اٹھالیا ہے۔ ایسے میں ایک انسان اپنی ضروریات کی پیکمیل کے جذبات دم توڑ دیں تووہ اپنی کا بکر ابنانے سے گریز نہیں کرتا ہے۔ گویاوہ اپنی خواہشات کی پیکمیل کی خاطر دوسر وں کے حقوق سلب کر لیتا ہے۔ میں علی عباس جلال پوری اس ضمن میں کھتے ہیں:

'' نظر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بیگا نگی میکا نکیت کی نہیں بلکہ فردیت کی پیداوار ہے۔ میکا کی کی معاشرے میں فردیت نے جس تنہائی اور محرومی کے احساسات کو جنم دیا ہے وہ سرمایہ دار معاشرے کی نوزائیدہ ہے جس میں ہر شخص ذاتی مفاد کی پرورش میں کوشال ہے اور ذاتی مفاد کی خاطر اجماعی مفاد کو پاؤل تلے روند نے میں کوئی دریغ محسوس نہیں کرتا۔ یہی خود غرضی اور فساداتِ قلبی اپنی ذات سے بیگا نگی کا اصل سبہ ہے۔''(۱۱) مندر جہ بالاوہ وجودی عناصر ہیں جن سے انسان یاسیّت کی طرف ماکل ہوااور اس لیے ان کو قنو طی وجودی عناصر کانام دیا گیا۔

فلسفه وجوديت ميں رجائی عناصر سے مرادوہ عناصر ہیں جن کی وجہ سے انسان یاسیت زدہ ماحول سے زندگی کی طرف مائل ہوا۔ ذیل میں رجائی عناصر کو بیان کیا جارہا

ے:

اُبِید زندگی ہے۔ اور جب آس اور اُبِید ساتھ چھوڑ جائیں تونا اُبِیدی جنم لیتی ہے جو موت کا ایک زینہ ہے۔ ہر تاریک رات اس اُبِید کے ساتھ بسر کی جاتی ہے کہ آنے والی صبح ابھرتے ہوئے سورج کی کرنوں سے مُنور ہوگی اور تاریکی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اُبِید ایک حوصلہ ہے جو ہمیشہ آگے بڑھنے کی ترفیب دیتا ہے۔ اُبِید ہمیت اور حوصلہ کو جنم دیتی ہے۔ اُبِید ہمی کی بدولت انسان تھکاوٹ ہونے کے باوجو د ایک الی راہ پر گامز ن ہونا لینند کرتا ہے جو کھن اور جنم دیتا ہے۔ اُبِید ہمی کی بدولت انسان تھکاوٹ ہونے کے باوجو د ایک الی راہ پر گامز ن ہونا لینند کرتا ہے جو کھن اور دشوار ہو۔ فلسفہ وجو دیت میں اُبِید کا عضر ایسا تھا جس کے باعث انسان خوشحال زندگی بسر کرنے کی طرف راغب ہوا۔ جب انسان چاروں طرف سے مایوس ہو چکا تھا، اس وقت اسے صرف اپناوجو د ایسا معلوم ہوا جس پروہ بھر وسے کر سکتا تھا اور اس کو بنیا د بناکر انسان نے اپنے مسائل کو حل کرنا نثر وع کیا۔

كرىگارڈ كے بقول:

''اس کشکش سے مسیح ہی انسان کو نحات دلا سکتا ہے۔''(۱۲)

یہ وہ جگہ ہے جہاں وہ پناہ حاصل کر سکتاہے۔ایک بار پھر سے زندگی کوخوشحالی کی طرف گامزن کر سکتاہے۔اس عضر کو فقط مغرب کی مذہبی اور مشرقی وجودیّت میں جگہ ملی۔ مذہبی وجو دیّت سے تعلق رکھنے والا فلسفی "جبرئیل مارسل" بھی اُمِّید کا دامن نہیں چھوڑ تا۔اس کے نزدیک ناساز گار حالات میں بھی انسان کومایوس نہیں ہوناچاہیے۔

خود آگاہی وجودیّت کا ایک اہم ترین عضرہے، جس نے داخلیّت پر زور دیا اور وجو دیّت کو داخلیّت سمجھا جانے لگا۔ مشرق میں خود آگاہی یاعر فال ذات وجو دیّت کی تحریک سے پہلے بھی موجود تھی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> "مشرق میں عرفان ذات حاصل کرنا کوئی نئی بات تونہ تھی لیکن مغرب میں اس فلیفے نے بحران زدہ انسان کو دوبارہ زندگی کی طرف توجہ دلائی۔"(۱۳)

ڈاکٹر عارفہ شہز اداکیسویں صدی کی مشہور شاعرہ اور ناول نگار ہیں" میں قِمْثَال ہوں"ان کا ایک معروف ناول ہے جو 2021 میں منظر عام پر آیا۔" میں قِمْثَال ہوں"ایک ایساناول جے وجو دی ناول کہا جاسکتا ہے۔اس ناول میں قنوطی اور رجائی وجو دی عناصر دیکھنے کو ملتے ہیں۔

اس ناول میں قنوطی عناصر مثلاً درد و کرب، خوف، گھٹن، کراہت اور بغاوت جیسے عناصر کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ رجائی عناصر میں اُہِّید، اپنائیت وغیرہ شامل ہیں۔ وجو دیّت ایک بحر ان زدہ اِنسان کے اُن مسائل پر بات کرتی ہے جو انسان کو اندر سے توڑ دیتے ہیں۔ یہی پہلو" میں یَمْشَال ہوں" میں سب سے نما یاں ہے۔"میں یَمْشَال ہوں" میں ایک ایک عورت گفتگو کر رہی ہے جو ساخ کی ستائی ہوئی ہے، نیتجناً وہ اَخلاقی پابندیوں کو توڑ کر بغاوت پر اُتر آئی ہے۔ وہ معاشر سے کے اس ظلم کو چیخ چی کربیان کرتی ہے جن کی وجہ سے وہ اندر سے ٹوٹ بھوٹ کا شکار ہوئی۔ وجو د کے مسائل کو اِس ناول میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔ یہ ناول وجو دیّت کے تناظر میں لکھا گیا ہے، جو

ایک بحران زدہ انسان کی کہانی کو پیش کر تاہے۔" میں نِیمْڈال ہوں" ایک آپ بیتی ہے جس میں فرد پر معاشرے کے ظلّم وجر کے نتیجے میں ایک ایک عورت بول رہی ہے جو تمام اَ طَاقی پابند یوں کو توڑ کر آزادی حاصل کرناچاہتی ہے۔ وہ ساج کے بنائے ہوئے تمام اَ طَاقی ضابطوں کو توڑ کر کھل کر اپنے آپ پر کیے جانے والے ظلم اور محرومیوں کا انتقام لینے کے لیے اِسی ساج سے نفسیاتی طریقے سے انتقام لے رہی ہے۔ ناول "میں نِیمْڈال ہوں" فرد کی تنہائی اور وجود کے ان مسائل کی عکاسی کر تاہے جن کو وجود یہت زیر بحث لاتی ہے۔ اِس ناول میں تمام وجود کی عناصر موجود و بیں جو اسے با قاعدہ ایک وجود دی عناصر کا جائزہ لیں گے۔ اس ناول میں تمام وجود کی موجود قنو طی وجود کی عناصر دیکھنے کو ملتے ہیں۔

" میں نیڈڈڈال ہوں "میں ایک ایسے ساج کی تصویر دکھائی جاری ہے جس میں بے حِسی ہے۔ سے جذبات کی قدر کرنے والے معاشر ہے میں نظر نہیں آتے۔ ایسے میں ایک عورت اس کرب کوبیان کر رہی ہے جس کی وجہ سے وہ اندر سے بالکل ٹوٹ چکی ہے۔ وہ عورت مر دوں کے ہاتھوں ایک کھی تلی بن جاتی ہے کیوں کہ جس شخص سے اُسے اُرتید تھی کہ وہ اِس سے محبت کرے گاوہ اس کی کوئی پرواہ نہیں کر تا۔ یوں وہ عورت پھر اپنی ضروریات کی پیمیل گھر سے باہر حاصل کرتی ہے۔ کہانی کی مرکزی کر دار تِمثال ہے۔ جو اپنے اندر کے دکھ درد گھٹن کو بیان کر رہی ہے کہ وہ کسے نفسیاتی بحر ان کا شکار ہو چکی ہے۔ وہ وہ وہ ارہ زندگی کی طرف لو شابع ہتی ہے۔ عاد فہ شہزا و نے اِس ناول میں ایسے معاشر سے کی سید تھی اور پی تصویر چیش کی ہے۔ جو مشرقی معاشرہ ہے، جو ہند اسلامی تہذیب کی صدر وایات کا حامل ہے۔ جس میں عورت کلچر کے امتزان سے کی ایک فیرہ ہو کی سید تھی اور پی تصویر چیش کی ہے۔ نافواندہ معاشر وں کا یکی حال ہو تا ہے جو کہ اس ناول میں چیش کیا گیا ہے۔ نافواندہ مرکزی کے حامل نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ عائی زندگی مسائل کا شکار رہتی ہے۔ نافواندہ معاشر وں کا یکی حال ہو تا ہے جو کہ اس ناول میں میش کیا گیا ہے۔ نافواندہ معاشر وں کا یکی حال ہو تا ہے جو کہ اس ناول میں میش کیا گیا ہے۔ مشرق می عبد اس کے منظر سے خاب ہو جاتا ہے۔ تیفشال کڑی در کڑی اپنج ہم عشق سے جڑی ہے مگر اب وہ اپنے ساقویں عشق کو پہلا عشق خوشی دیتا ہے اور بعد میں اُسے نکیف میں مبتلا کر کے منظر سے خاب ہو جاتا ہے۔ تیفشال کڑی در کڑی اپنج ہم عشق سے جڑی ہے مگر اب وہ اپنا مسئلہ بتاتی ہے جو کہ اس کے نامل کر کے اپنا مسئلہ بتاتی ہے جو کہ اس کے نامیوں معال کہیں۔ وہ چاہتی ہے کہ وہ جس کر بیں مبتلا ہے اس سے باہر نکل سے۔

ڈاکٹراحسن کی ای میل:

"میں پچھے دوسالوں سے "ہم سب" پر نفساتی کالم کھے رہا ہوں اور بہت سے مَر دوں اور عور توں کی ان کے نفساتی مسائل حل کرنے میں مدد کر چکا ہوں۔ آپ نے مجھے بتایا کہ آج کل آپ بے انتہاڈ پریشن کا شکار ہیں کیونکہ محبت کا دعویٰ کرنے والے اس شخص نے آپ سے بے رخی اختیار کرلی ہے جسے آپ ٹوٹ کر چاہنے گی تھیں۔ آپ اسے الوداع تو نہیں کہنا چاہتیں مگر اس درد و کرب کی کینیت سے نکلنا چاہتی ہیں تاکہ دوبارہ ایک نار مل زندگی گزار سکیں"۔ (۱۳)

تِمثَال اَندر سے مکمل لُوٹ بِجوٹ کا شکار ہو چکی ہے اور نفسیاتی مسائل سے دوچار ہے۔ اِس کا وجود اندر سے خوف محسوس کر تاہے وہ محبت اور بیار کوتر ستی ہے کہ اُسے کوئی سچی محبت ملے مگر جسے وہ سچی محبت کرتی ہے وہ محبت اور اس کی بے رُخی سے وہ ڈپریشن کا شکار ہو چکی ہے اور اس کی بے رُخی سے وہ ڈپریشن کا شکار ہو چکی ہے اور اب کر بسے نجات حاصل کرنے کے لیے نفسیاتی معالج سے رجوع کرتی ہے۔ تاکہ اُس کا وجود اس اذبیت سے آزاد ہو سکے جس میں اُس کو اُس کے عشق نے مبتلا کیا۔

نی مبتلا کیا۔

اکیسویں صدی جہاں نئے مسائل لے کر آئی ہے وہیں ادب اور سماج پر بھی ان کے گہرے انژات مرتب ہوئے ہیں۔ اکیسویں صدی میں کھے جانے والے اُردو ناولوں میں کاغذی گھائے ، موت کی کتاب ، مر دہ خانہ میں عورت ، انبوہ ، لے سانس بھی آہتہ ، اُداس نسلیں ، جندر ، شجر حیات ، خدا کے سائے میں آئکھ مچولی وغیرہ وجودی فکر کے حامل ہیں۔ کاغذی گھائے ، خالدہ حسین کاناول ہے۔ اس ناول میں ایک لڑکی کا کر دار ہے جو اپنی ذات کی تلاش میں پھرتی رہتی ہے۔ اپنی تلاش جاری رکھتی ہے گمروہ زندگی میں اپنا فیصلہ خود نہیں کر سکتی۔ امتخاب آزادی چھین لیتا ہے۔ بالآخر مونا کا مدروہ اس کا انتخاب آزادی چھین لیتا ہے۔ بالآخر مونا کا کہ کر دار احساس کمتری کا شکار ہوجاتا ہے اور کشکش زندگی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

'' در اصل فرد کی آزادی کاتصور محض ایک واہمہ ہے اس کو سار تر کا انتخاب کا تصور بے حد اُلجھا تا۔ وہ اکثر چلتے چلتے رک جاتی۔ انسان ہر قدم پر انتخاب کر تاہے۔ مگر وہ انتخاب ہی در اصل پہلے سے طے شدہ ہے۔ اس نے حسن کو بتایا''(۱۵) اس ناول میں یہاں سارتر کے تصور آزادی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس کر دار کے علاوہ دیگر کر دار بھی اسی فلفے کے زیر اثر معلوم پڑتے ہیں۔ مونا لکھاری ہے پھر وہ حسن کے کہنے پر لکھنا نثر وع کر دیتی ہے۔ لکھتے ہوئے اسے کافی مشکلات پیش آتی ہیں۔ اس کا بھائی لکھنے کو بُر استجھتا ہے البتہ اس کا باپ اس کی حوصلہ افزائی کر تا ہے۔ وہ در اصل اپنا جو ہر تلاش کرتی ہے۔ جب اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ یقین کر لیتی ہے کہ آزادی کا تصور جموعا ہے۔ سب پچھ طے شدہ ہے۔ شاید اس کے حالات پہلے سے طے شدہ ہیں مگر حسن اس کے لکھاری ہونے کی اہمیت اُجاگر کرتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ اس کی میہ صلاحیت اس کا جو ہر ہے۔ یوں مونا وجو دی فکر کے تحت اپنا تا ہے۔ یہ فلفہ وجو دیت کا خاصہ ہے۔ کاغذی گھاٹ میں کر دار کشکش زندگی میں اُلجھے ہوئے ہیں اور اسی اُلجھن میں زندگی کی گھیاں سلجھار ہے ہیں۔

اکیسویں صدی میں انسان ساسی، معاشر تی اور نفسیاتی اُلجھا ہوا ہے اور تنہائی کا شکار ہے انٹر نیٹ کی وجہ سے انسان اپنے قریبی انسانوں کو چھوڑ کر آن لائن کسی دوسری جگہ بیٹھے ہوئے انسان سے منسلک رہنے لگاہے۔ اُردوناول میں انسان کے نفسیاتی مسائل اُجا گر کیے جارہے ہیں۔ کاغذی گھاٹ میں خالدہ حسین کے کر دار بھی فلسفہ وجو دیت کے زیر اثر نبھائے گئے ہیں۔ مشرف عالم ذوقی اکیسویں صدی کے معروف اور اہم ناول نگار ہیں ان کے ناول مردہ خانہ میں عورت، مرگ انبوہ اور لے سانس بھی آہتہ فلسفہ جو دیت کے زیر اثر ہیں۔

'مردہ خانہ میں عورت کامر کزی کردار 'متے سپرا' ہے یہ کردار موت کو طاقت سمجھتا ہے۔ یہ دنیا ہے بے زار ہے۔ وہ معاشر ہے میں قتل ہونے والے انسانوں کے بارے میں بھی سوچتا ہے۔ وہ سوچتا ہے ہے کہ دیکھتے ہی دول میں وہ اپنی ذات کو موت کے حوالے کرنے کی تیاری شروع کر دیتا ہے۔ وہ اپنی فات کو موت کے حوالے کر دیا ہے۔ اور اپنی ذات کا مثلاثی ہے۔ سان میں اس کی قدر وقیت کیا ہے یہ سوال اس کے ذہن میں موجود ہے۔ وہ انتخاب آزادی کے لیے اتناکر سکتا ہے کہ وہ خود کو موت کے حوالے کر دے۔ سپر اایک پولیس والے کو کہتا ہے:

"پيرکياہے؟

مر دہ خانہ

کیوں؟

کیول که میں مر دہ ہول

توگھر کے باہر مر دہ خانہ لکھ دوگے ؟"(١٦)

اس ناول میں 'گُل بانو کا کر دار بھی ایک وجو دی کر دار ہے گُل بانو پڑھنا لکھنا چاہتی ہے مگر حالات کی ستم ظریفی کہ وہ تعلیم حاصل نہیں کر سکتی۔ وہ ایک طوا نَف کی بیٹی ہے اور بالآخر اسے طوا نَف ہی بننا پڑتا ہے۔ اس کے پاس آزاد کی انتخاب نہیں ہے۔ کہانی میں ایک جگہ وہ پولیس والے کو قتل کر دیتی ہے اور اسی مر دہ خانہ میں چلی جاتی ہے جو کہ مسے سپر انے بنایا ہو تا ہے۔

مشرف عالم ذوقی کا ناول' لے سانس بھی آہتہ' تہذیب کی سنگش کے ساتھ ایک وجود ناول ہے۔اس میں کار دار خاندان سے کہانی کشید کی گئی ہے۔وسیع الرحمن کار دار اور عبدالرحمن کار دار اہم کر دار ہیں۔اس میں تقتیم برصغیر کو بھی شامل کیا گیا ہے۔اس کر دار کرب زدہ میں کر داروں کو کرب اس لیے کہ وطن دو حصوں میں تقتیم ہور ہاہے۔ قتل وغارت ہور ہی ہے اسی گھٹن زدہ ماحول سے انسان اپنی اہمیت پر سوال کر تاہے اور اپنی تلاش میں سرگر داں ہے۔ علی بخش کہتا ہے:

"ہر طرف مارو..... کیٹرو..... کے گندے شور دل و دماغ میں طوفان مچارہے تھے..... ہیہ کس صدی میں آگئے ہیں ہم

میری سوچ کازاویه تنگ ہو تاجار ہاہے۔"(۱۷)

اس ناول میں وجو دیت کے رجائی عضر اجتماعی احساس کو بھی برتا گیاہے۔

" اگر ہندوستان کو آزادی نہیں ملتی ہے تو یہ ہندوستان کا نقصان ہے۔ لیکن اگر ہندومسلمان نہیں ملتے تو یہ ساری انسانیت کانقصان ہے۔ "(۱۸) ' لے سانس بھی آہتہ 'کے کرداروں اجماعی احساس بھی ہے سارتر کا فلسفہ وجو دیت میں اجماعی احساس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سارتر کہتا ہے انسان آزاد ہے۔ اپنے فیصلے خود کر تا ہے۔ اگر غلط فیصلہ کرتا ہے۔ یہ اس کی ذمہ ہے کہ جب فیصلے خود کر تا ہے۔ اگر غلط فیصلہ کرتا ہے۔ یہ اس کی ذمہ ہے کہ جب فیصلہ کرتا ہے۔ یہ اس میں اجماعی فائدہ سوچے۔ اگر کسی فرد کے فیصلے سے اجماعی نقصان ہوگا تو اس کا ذمہ داروہ فیصلہ کرنے والا فرد ہے۔

''انسان کی حالت سے ان کی مراد وہ تمام حدود ہیں جو اس کا نئات میں انسان کی بنیادی صورتِ حال کا قبلِ تجر بی تعین کرتی ہیں۔''(19)

سارتر کا فلسفہ وجو دیت مشرف عالم ذو تی کے کر داروں کے ذریعے ہمیں مشرقی معاشرے میں ماتا ہے۔

خالد جاوید اکیسویں صدی کے کھاریوں میں اہم نام ہے ان کاناول' موت کی کتاب"عنوان ہی ہے وجودیت کے زیرِ اثر معلوم ہورہا ہے۔ یہ ناول اپنی فکر اور اسلوب میں ایک منفر د ناول ہے۔ اس ناول میں وجودی فکر کا غلبہ نظر آتا ہے۔ موت، خود کشی ، بے زاری اور نفرت کے جذبات واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں۔ نفرت پچھتاوااور کرب وانتشار کی فضا بھی نظر آتی ہے۔ یہ نہایت پچیدہ کہانی ہے۔ مثس الرحمٰن فاروقی رقم طراز ہیں:

" ممکن ہے 'موت کی کتاب' اور 'صحیفہ الوب' مشابہت سر سری یا اتفاقیہ ہو، ممکن ہے نہ ہو۔ لیکن میہ ضرور کہتا ہوں کہ صحیفہ ُ الوب کی زبان جس قدر سادہ، شائستہ اور بیٹھی ہے 'موت کی کتاب' کی زبان اتنی ہی کھر دری، بو جھل ڈراؤنی ہمیں خو د سے شر مندہ کرنے والی ہے۔"(۲۰)

فاروقی صاحب کی بات بالکل درست ہے۔ بیر ناول اذیت ناک ہے۔ کر دار بہت اذیت و کرب سے گزر تا ہے۔ بار ہاخو دکشی کا سوچتا ہے۔ وہ خو دکشی کو اپنے ساتھ ہی تصور کر تاہے۔ کہتا ہے:

> "میر اباپ چین سے خراٹے لیتے ہوئے سورہاہے۔ اور دوسری طرف برابر والے کمرے میں ، میری بیوی ابھی بستر پر کروٹیس بدل رہی ہوگی۔ مگر میں یہال اکیلا نہیں ہوں۔ میرے ساتھ کوئی اور بھی ہے ، ازل سے ہی میرے بیچھے لگاہوامیرے ساتھ کون ہے ؟ خود کشی ____ ؟ ہاں یقیناً وہی ہے۔"(۲۱)

انسان جب داخلی کرب سے گزر تا ہے تواپنے اطراف میں پھیلی ہوئی زندگی کی حقیقت کو جان سکتا ہے۔ موت کی کتاب کامر کزی کر دار بھی داخلیت کے کرب میں مبتلا ہے۔ اس کا یہ کرب دنیا کی تفتیم کا سبب بننے کی بجائے اسے مایوسیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لیے وہ دنیا سے بے زار نظر آتا ہے۔ اس ناول میں صیغہ واحد متکلم کے ذریعے بات کی گئی ہے اور ناول کامر کزی کر دار موت، خود کشی اور باپ کے قتل کی خواہش کو لیے جی رہا ہے۔ باپ کو اپنے تصور میں قتل کر دیتا ہے مگر ناول کے آخر تک خود کشی نہیں کر پاتا۔ اہم بات یہ ہے کہ اعتراف شکست کر تا ہے کہ وہ خود کشی کو انجام نہیں دے پایا۔ جو اس کی بڑی خواہش رہی ہے۔ اس خواہش کی وجہ وجود بیت کا تصور انتخاب ہے۔ خود کشی کا انتخاب کر کے وہ تمام مصائب و آلام سے نحات حاصل کر سکتا ہے۔

"مگر میری تمام بے شر میوں میں اور طوطا چشمیوں میں یہ بھی شامل ہے کہ میں خود کشی کو ہمیشہ نظر انداز ہی کر تاآیا ہوں۔اس کے حصے کی توجہ میں نے آج تک اسے نہیں دی اور اس کی خوب صورت جھیل کی طرف بھی زیادہ ترمیں نے حقارت اور بے مروتی کے ساتھ ہی چہل قدمی کی ہے۔"(۲۲)

اس مرکزی کر دار کا محبوب خود کشی ہے۔ جو کہ اس کے اختیار میں ہے۔ اس اختیار کو استعال کر کے وہ زندگی کی کڑواہٹ کو ختم کر سکتا ہے۔ سارتر کی وجو دیت نے معاصر ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔'موت کی کتاب' بھی سارتر کی وجو دیت کے زیراثر تخلیق ہوا ہے۔

وجو دیت کا فلسفہ انسان انفرادی واجھا عی شاخت عطا کر تا ہے۔ انسان کو بااختیار ہونے کا یقین دلا تا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ انسان کا وجو د جو ہر پر مقدم ہے۔ وجو د پہلے ہے اور جو ہر انسان خو دپیدا کر تا ہے۔ جیساوہ چاہتاہے ویساہی انسان بن جاتا ہے۔ وہی اس کی قیمت ہے جو اس نے خو د طے کر لی ہے۔

ڈاکٹر عارفہ شہزاد کے ناول 'میں تمثال ہوں' میں وجودیت کے واضح اثرات موجود ہیں۔ ان کامر کزی کر دار تمثال بھی زندگی کی حقیقت فلسفہ وجودیت کے دار فلسفہ زیرِ اثر تلاش کرتی ہیں۔ مشرف عالم ذوقی کے ناول ''مر دہ خانہ میں عورت'' اور لے سانس بھی آہتہ بھی وجودیت کی فکر کی تفہیم کرتے ہیں۔ ان ناولوں کے کر دار فلسفہ وجودیت کو اپنے اوپر طاری کیے ہوئے ہیں۔ ای طرح کاغذی گھاٹ اور موت کی کتاب بھی وجودی ناول ہیں۔ فلسفہ وجودیت کے سارے پہلو متذکرہ بالا ناولوں کے کر داروں میں موجود ہیں۔

حوالے

- ا ـ قاضى جاويد، وجوديت، تخليقات لا مور، ١٩٩٨ء، ص: ٩
- ۲_ جميل جالبي، دُا کٹر، تنقيد اور تجربه، ايجو کيشنل پباشنگ باؤس، نئي د ، بلي، ۱۹۸۹ء، ص: ۳۱۵
 - سه وحیداختر، ڈاکٹر، فلفه اورادلی تنقید، مطبخ نامی پریس، ککھنو، ۱۹۷۲ء، ص: ۱۷۳
 - ٧- نعيم احمد، ڈاکٹر، معاصر فکری تحریکییں، مجلس تر قی ادب لاہور، 2016ء، ص: 78
- ۵۔ علی عباس جلال یوری، روایات فلسفه ، منظور پر نتنگ پریس، لا ہور 1949، ص: 170
 - ٢ الضاً، ص:163
 - 2_ الضأ،ص:175
 - ۸۔ نعیم احد، ڈاکٹر، معاصر فکری تحریکیں، مجلس ترقی ادب لاہور، 2016ص:87
- و على عباس جلال يوري، روايات فلسفه ، منظور ير منْنگ يريس لا مور، 1949 ص: 181
 - اليضاً، ص: 175
 - اا۔ ایضاً، ص: 194
- ۱۲۔ سلطان علی شیر ا، وجو دیّت پر ایک تنقید کی نظر ،اتریر دیش اردواکاد می نکھنو 1978ص: 14
 - الـ جميل جالبي، ڈاکٹر، تنقيد اور تجربہ، پونيورسل بکس، لاہور 1988، ص98
 - ۱۲- عارفه شهزاد، وْاكْمُ "مِين تِمْقَال مِون" ميٹر لنگ پېلشرز، لکھنو 2021ص: 13-14
 - ۱۵۔ کاغذی گھاٹ، ص:۱۲۴
 - ۱۲ مشرف عالم ذو تی، مر ده خانه میں عورت، سنگ میل پبلی کیشنز، لا ہور، ۲۰۲۰ء، ص: ۵۰
 - ے۔ مشرف عالم ذوتی، لے سانس بھی آہتہ، ساشا پبلی کیشنز، گیتا کالونی، دبلی، ۲۰۱۱، ۳۰، ص: ۱۴۱
 - ۱۸_ الضاً، ۱۸ ۲ء، ص: ۱۹
- - ۲۰ خالد جاوید، موت کی کتاب، سٹی نبک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۲۱ء، فلیپ
 - ۲۱_ الضاً، ص:۲۵
 - ۲۲_ الضاً، ص:۲۲